سلسلہ چشتیہ کی نشر و اشاعت اور ہندوستانی معاشرے کی تشکیلِ نو

شاہ خالد مصباحی

ریسرچ اسکالر جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

اللہ تعالیٰ نے مذہب اسلام کے افکار و نظریات، طرایق و اعمال کی ترویج و اشاعت کے لئے ہر دور میں بشکل نبی و رسول، صحابہ، اولیا و علما کو اس امر خیر کے لئے منتخب فرمایا، اور یہ منتخب شدہ افراد چہار سوئے عالم کا دورہ فرما کر، دین اسلام کی تعلیمات و فرمودات کو خدائی خدمت گار تحریک سمجھ کر خوب تشہیر فرمائی۔ مذہب اسلام، روایت و درایت، اعمالِ صالحہ، صلح پسند، قیامِ امن و سلامتی، نسل و فرقہ پرستی سے دوری اختیار کرنے کے پس منظر میں دروس رشد و ہدایت میں نہایت لچکدار ہے، اور اس کی ہدایات رنگ و ذات کی بنیاد پر کسی کے ساتھ ناروا سلوک ہونے کے خلاف ہیں اور صوفی تحریک و صوفی ازم کا قضیہ بھی انہیں پیرائے بیانیہ پر منحصر ہے، جو حضرت عیسی علیہ السلام کی جماعت سے مستعار ہے جس کی طرف اشارہ قرآن کریم کی آیت: قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ میں جملہ ''حواریوں'' کی طرف اشارہ ہے، حضرت عیسی علیہ السلام کے دور میں اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں کی ایک جماعت تھی جو ہمیشہ سفید پوش رہتے اور خدا کی بندگی بجالاتے، اور ہر امر میں حضرت عیسی علیہ السلام کی اطاعت کرتے اور تقوی و پرہیز گاری اختیار کرتے۔ اور تقریباً ۱۲ویں صدی کے ہندوستان میں خاص اسی مشن کے حامی بن کر صوفیا نے دین اسلام کے طرائق و سلوک اخوت و محبت، مساوات دائمی، تفریق کی ہمہ گیر مخالفت کر کے، اس کی حقیقت کو اُجاگر کرنے کی کوششیں کیں، کہ ہر معاملہ میں خدا کی اطاعت کو واجب سمجھتے ہوئے، اصول بندگی کو بندوں کے دلوں میں جاگزیں کر دینے کے فن و ثقافت کو وسعت دیں، اور وہ تمامی کلچرل محرکات و پیغامات جس پر عمل پیرا ہونے سے بندوں کی خداوند حقیقی کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے، اس کو عوام و خواص، شاہ و گدا سب کے درمیان لائے، اور ہندوستان میں دین اسلام کی ترویج و اشاعت کا ایک کامیاب ترین مشن چلایا۔ اور وَالَّذِينَ اٰمَنُوْٓا أَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ کے مصداق بن کر تمام تر حرص و ہوس، خوف و خطر کو پس پشت ڈال کر اسلام کی حقانیت و صداقت کا ببانگ دہل اعلان کیا، کہ دین کسی بھی قسم کی تفریق ذات، رنگ و نسل خواہ کسی اور شئے کی بنیاد پر کرنا اس کے روا کا قائل نہیں۔ اور یہ پیغام اصفیا کی جماعت نے ملک کے شہر و قریہ میں جا کر عام کیا، پریشانیوں کا سامنا بھی کیا، جیسا کہ اس ضمن میں پروفیسر محمد حبیب سابق صدر شعبہ سیاسیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ تاریخ مشائخ چشت کے ایک تعارفی مضمون میں لکھتے ہیں کہ ''ہندوستان میں تصوف کی نوعیت ساتویں صدی سے چودھویں صدی تک ایک انقلابی ضابطہ کی سی رہی۔ ابتدائی دور

کے صوفیا (مثلاً حبیب عجمی اور ان کی جماعت) جس کو ڈاکٹر نکلسن نے قیوایسٹسٹ کے نام سے یاد کیا ہے، سلطنت بنی امیہ کی محکوم اقوام سے تعلق رکھتے تھے سلطنت کے تمام وقیع عہدے عرب نژاد لوگوں کے پاس تھے، چنانچہ صوفیا کے مختلف سلسلوں کے بانیوں پر ظلم وتشدد کیا جاتا تھا یہ لوگ شہر در شہر مارے مارے پھرتے تھے لیکن نہ تو کوئی کامیاب قسم کے انقلاب کے آثار پیدا ہو پاتے تھے اور نہ صوفیا کا ہی کوئی ارادہ تھا کہ وہ شخصی اغراض ومقاصد کی خاطر حصول قوت کے لئے جدوجہد کریں بلکہ شیخ جنید نے تو یہ اعلان کر دیا تھا کہ یہ زمانہ وحشت گزر رہا ہے اور پھر بعد میں ایک ایسا نظریہ پیش کر دیا جس سے پانچ سو برس تک صوفیا بالکل مطمئن ومتفق رہے نظریہ یہ تھا کہ نہ تو حکمران طبقے کی مخالفت کی جائے اور نہ موافقت۔ وہ علیحدہ اپنی ایک دنیا میں رہتے تھے"۔ اور وہ ایسی دنیا تھی جہاں وہ اسلامی تعلیم اور دعوت حق لوگوں کو دیتے تھے، اور اصولی طور پر وہ جدید نسلوں کی تربیت فرماتے تھے۔ اور توحید الٰہی کے مفہوم و تشریح کو پھیلانے اور انسانوں میں صراط مستقیم کی صحیح سمجھ پیدا کرنے اور ان ہدایات پر عمل کرنے کی تشجیع پیدا کرتے رہتے تھے۔ صوفیا کا مطمح نظر قوموں کے اندر سلامتی، محبت، اخلاق اور تواضع وانکساری پیدا کرنا ہمیشہ سے رہا ہے۔ اس کے لئے انہوں نے مدارس، خانقاہیں، مساجد بنائیں جہاں پر وہ بیٹھ کر انسانوں کو عصری علوم، حالات سے شعور وآگہی میں قابل قدر اضافہ کے ساتھ اخلاقی اور انسانی اصولوں کی قدر کرنا بھی سکھاتے تھے۔ ان کا دعوتی کام مذہبی، معاشرتی، فلاحی، سماجی اصولوں پر مبنی تھا اور وہ افراد کو دنیا اور آخرت دونوں جہاں کی ترقی کے لئے موجودہ دنیا میں ایک اچھا انسان بنانے میں کلیدی کردار ادا کرتے تھے۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ۔ (سورۂ بقرہ، آیت: ۱۷۷) قرآنی آیت کریمہ کے مفہوم ومراد کی دلیل بین تھے، غریبوں، مسکینوں، فقیروں، لاچاروں کی حاجت روائی کرنا ان کا نصب العین تھا، بارہویں صدی میں خانقاہوں کے قیام کا اصل مقصد ہی یہی تھا جہاں لنگروں کا خصوصی اہتمام ہوتا تھا اور سماج کے غریب افراد، ان کے بچے بلا تفریق مذہب و مسلک وہاں جا کر تعلیم حاصل کرتے تھے، اور اپنی حاجت زندگی مکمل کرتے تھے، خانقاہوں نے یہ تعلقات انسان میں نرمی پیدا کرنے اور شکستہ زندگیوں کو سہارا دینے، برائیوں کی آلودگیوں سے لوگوں کو نکال کر بھلائی کے راستے پر لانے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ صوفیائے متقدمین ومتاخرین کی نظر میں تصوف ایک خیر خواہی اور سماج میں اخلاقی اقدار وروایات کو پھیلانے کا ایک وسیع پروفائل کا نام ہے، جس میں انسان خود اپنے اندر اچھے اخلاق پیدا کرے نیز دوسروں کو بھی اخلاقیات کے زیور حسنہ سے آراستہ کرنا اپنی زندگی کا ایک اہم فرض سمجھے، جیسا کہ شیخ ابو الحسن فرماتے ہیں کہ لیس التصوف رسوماً ولا علوما و لکنہ اخلاق (کشف المحجوب)

اسی فکر و نظر کو ہندوستان میں چشتی سلسلہ کی ایک قد آور شخصیت حضرت شیخ نظام الدین اولیا دہلی فرمایا کرتے تھے:

”کثرت سے نماز پڑھنا، وظائف میں بکثرت مشغول رہنا، قران مجید کی تلاوت میں زیادہ مصروف رہنا یہ سب کام چنداں مشکل نہیں ہیں۔ ہر باہمت شخص کرسکتا ہے بلکہ ایک ضعیف بڑھیا بھی کرسکتی ہے۔ روزے پر مداومت کرسکتی ہے۔ تہجد گزاری میں مصروف رہ سکتی ہے۔ قران مجید کے چند پارے پڑھ سکتی ہے لیکن مردان خدا کا کام کچھ اور ہے“ (تاریخ مشائخ چشت از خلیق احمد نظامی ص ۵۷، طبع اول ندوۃ المصنفین اردو بازار دہلی) اور وہ کام وہی ہے کہ مخلوق خدا کی خدمت کرنا اپنی زندگی کا اولین مقصد سمجھے۔ ان کا مشن حیات، إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الأخلاق تھا وہ رسولی افکار کے علمبردار تھے۔ وہ عادات نفیسہ واطوار حسنہ سے لبریز تھے، وہ ہر لمحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارکہ کے حسین گوشوں کو اپنے سامنے رکھتے تھے، ان کا کوئی بھی عمل زاویہ رسول سے منحرف نہیں تھا، وہ ہمیشہ بندوں کو صحیح اعمال کی طرف رہنمائی فرماتے اور بداعمالیوں سے روکتے تھے، تقریباً ساتویں صدی سے ہی ہندوستان کی سرزمین پر پھیلی ہوئی ظلمت کو چھانٹنے میں اور اس اندھیرے پن میں روشنی پھیلانے کا کام انہیں اصفیا کی جماعت کررہی تھی، جو خس وخاشاک میں زیب تن تھے، اللہ کی تسبیح و ذکر توبہ واستغفار ان کی زندگی کا پیش خیمہ تھا، ظاہر و باطن میں وہ اللہ کے تھے اور اللہ ان کا تھا، اور چودھویں صدی کے اواخر تک ان کی جدوجہد، مشن وکارنامہ کا نتیجہ ظاہر ہونے لگا، ہندوستانی عوام و خواص کی ایک بہت بڑی جماعت ان سے منسلک ہوئی، دین سیکھائے اور فلسفۂ دین اسلام کی بہت سادے اور سلیس انداز میں کما حقہ تبلیغ فرمائی، اسی لئے تاریخ وتذکرہ نویسوں نے اس قدر خالص شفافیت اور رنگ و روپ، پہناوے سے متاثر ہوکر صوفیا کے نام سے ایسی جماعتوں کو یاد کیا جس کا معنی اعلی موٹا کپڑا پہننے والے، خالص شفاف دل، جو اسلام کے روحانی فلسفے کا بکھرے ہوئے سماج اور مختلف طبقات و درجات کے درمیان میں اپنے دوش ضعیف پر اس کا بیڑا اٹھایا اور خِيَارُكُمْ أَحَاسِنُكم أخلاقاً سے معبر ہوکر فلسفۂ دین محمدی کے بارہویں صدی میں ہندوستان میں آئیڈیل قرار پائے۔

مسلمانوں کے ہندوستان سے ربط و تعلق کے ذرائع

ہندوستان میں تقریباً ۸ ویں صدی عیسوی میں اس قضیہ پر عمل درآمد ہونے لگا تھا، ساتویں صدی عیسوی کے ختم ہونے پر مسلمانوں نے سندھ پر قبضہ شروع کیا جس کے بعد سے برابر بارہویں صدی تک ہندوستان میں آتے رہے ملک کے بڑے حصے پر اپنا تسلط قائم کرکے یہاں رہنے لگے۔ اس وقت سے قبل ملک کے ساحلی سمندر وتجارتی علاقوں مثلاً بمبئی، کولکاتا، گجرات وغیرہ میں مسلمانوں کی آبادی موجود تھی اور ان قیام گاہوں کے اثرات بھی اس صدی سے قبل ملتے ہیں، کیوں کہ عرب تاجروں کا ہندوستان سے معاشی تعلق دین اسلام کی بعثت سے قبل کا ہے، یہ ایک قدیم تعلق ہے جو پانچویں صدی سے قبل تک کے رسوم وتجارتی تعلقات کے ذرائع ملتے ہیں، پھر دین اسلام کی بعثت کے بعد، عرب تاجروں کا بحالت مسلمان آج تک ہندوستان میں بغرض تجارت وصنعت اس ملک کے ساتھ قرارداد قائم رہا، جس سے ہندوستانی معاشرے کو تعلیمی وسماجی، سیاسی طور پر طاقت ملتی رہی، حساب وکتاب، حرفوں کی شناخت کروانا، لکھنا پڑھنا

عربوں نے سکھایا، جیسا کہ کتاب مختصر تاریخ ہند کے مؤلف لکھتے ہیں: ہندوستان سے عربوں کے تعلقات صرف تجارت ہی کے نہ تھے بلکہ علمی بھی تھے۔ ۸۰۰ قبل مسیح سے پہلے ہندوستان میں لکھنے کا رواج نہ تھا یہی عرب تاجر تھے جو خشکی اور تری دونوں راستوں سے ہندوستان میں حروف لائے اور یہی سبب ہے کہ خاندان موریہ اور خاندان اندھرا کے تمام کتب آرامی حروف میں نظر آتے ہیں، اور اشوکا کے کتب اس کی شہادت میں بھی پیش کئے جاسکتے ہیں اور یہ حروف دائیں طرف سے بائیں جانب کو لکھے اور پڑھے جاتے تھے ان کو آرین پالی کہتے ہیں۔ (مختصر تاریخ ہند از مولانا سید ابوظفر ندوی، اشاعت سوم مطبع معارف اعظم گڑھ، ص ۳۹۔۴۰)

اس کے علاوہ مورخ جوزیفس کے حوالے سے اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۲۹ پر لکھتے ہیں کہ سوپارہ، ممبئی کے قریب اور رورکھ، بروج کے قریب کے بندرگاہوں سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں ہاتھی کے دانت، بندر، مور وغیرہ کی فلسطین میں تجارت ہوتی تھی۔ کپڑوں کی تجارت بھی یہ عرب خوب کرتے تھے، ہندوستانی کپڑوں میں ململ جیٹ رومال وغیرہ کی تجارت، جیسا کہ خوب شہرت کی حامل ہے۔

بھارت کے اصلی شہری

ملک ہندوستان کی زمین مسلمانوں کی آمد سے قبل ہر لحاظ سے بنجر تھی، معدنی وقدرتی وسائل کا انبار تھا لیکن دماغی وفکری طور پر اپنے اندر مہارت پیدا کرنے میں یہاں کے لوگ، اس کو استعمال میں لانے سے قاصر تھے، قدیم ترین زمانے میں اس ملک کی آبادی وحشی لوگوں پر مشتمل تھی، جو جنگلوں میں رہتے تھے، وہی ان کا گھر اور قبرستان دونوں ہوتا تھا، جانور اور جنگل کے سبزے ومیوہ جات، اور جانوران کا کھانا اور کھلونا ہوتا تھا، دیگر کسی قسم کی معدنیاتی آلہ، آگ وغیرہ سے بالکل نا آشنا تھے، رنگت میں کالے تھے، یہی لوگ اس دیش کے اصلی باشندے کہلاتے ہیں، پھر زمانہ اور حالات نئی نئی قسم کے ذرائع ٹکنالوجی سے باخبر ایک جگہ سے دوسری جگہ لوگ منتقل ہوتے رہے، جانوروں کا ریوڑ اور وسائل کی عدم دستیابی کی وجہ سے موضع مختلف کا تعین ہوتا رہا ہے، جہاں پانی کا انتظام مثلاً ندی، نہر تالاب اور سرسبز وشاداب، ہرے بھرے پودے اور چارہ ہوتا وہیں قیام پذیر ہوجاتے، پھر آریا، منگولین، ہن وگوجر، مسلمان پارسی، یورپین وغیرہ یکے بعد دیگرے ہندوستان میں مختلف قوموں کے لوگوں نے جنم لیا۔ اور ان ساری قوموں کے پاس ان کا خاص طور وطریقہ، تہذیب وتمدن، رہن سہن، شادی بیاہ کے مختلف طریقے تھے، جو ایک دوسری قوم کے ضد تھے۔ اور ایک دوسرے کے خلاف ہونے کی گواہی دے رہے تھے۔

یہ رہا مسلمانوں کا ہندوستان میں آمد سے قبل کا نقشہ، اور یہ نقشہ پیش کرنے کی وجہ یہ ہے تا کہ یہ واضح ہوجائے کہ مسلمان اور تصوف ایک دوسرے کی تعلیق ہے اور سلسلہ چشتیہ اس کا ایک حصہ ہے۔ اور سلسلہ چشتیہ کی خدمات کو سمجھنے کے لئے مسلمانوں کے مستقلاً اس ملک میں بسنے سے قبل کون کون سی قومیں یہاں آباد تھیں اور کیا کلچر تھا اس کو سمجھنا ضروری ہے۔ مسلمانوں کا کلچر درحقیقت اسلامی نقطۂ نظر سے ملبوس ہونا چاہئے۔ اسلام کی بعثت عرب میں ہوئی تھی، اس لئے اس نظریہ سے بھی بحث کرنا ضروری ہوگیا تھا کہ عربوں کے ساتھ ہندوستانیوں کے کس کس قسم کے تعلقات تھے، اور ان کی ملاقات کے ذرائع کیا تھے اور کیسے

بنے۔اور دین اسلام اور مسلمانوں نے کس طریقے سے اس ملاوٹی تہذیب اور علم وفضل سے کوری ثقافت میں تبدیلی پیدا کی اور ہندوستان کی آزار نفس، خود مختار قوموں کے تسلط، ظلم وتشدد سے نچلے طبقوں نے کیسے آزادی پائی اور ہندوستانی معاشرے کی کس فضا میں تشکیل نو ہوئی جس کی بنیاد پر اسے سونے کی چڑیا، فردوس گاہ، امن کا چشمہ، پیار کا دریا، گنگا کی تہذیب وری کا گل، جمنا کی قربانی کا سرچشمہ پھوٹنا جیسے لفظی محاورات وکلمی تعبیرات سے کتب تواریخ میں یاد کیا گیا ہے۔

سماجی حالات اور طبقاتی نظام

ہندوستان میں مسلم بادشاہوں کی آمد کے ساتھ ان کے ساتھ بے شمار مورخ وادیب، علما وفضلا بھی تشریف لائے۔اور یہ بات مسلم ہے کہ ہندوستان میں مسلم بادشاہت کے قیام کے بعد دین حنیف کی پیغام محبت واخوت کی ترویج واشاعت کے لئے بالعموم مختلف ممالک اور بالخصوص افغانستان، ترکمنستان، ایران الغرض سینٹرل ایشیاء ممالک سے بے شمار علما وخداوند عالم کے برگزیدہ بندوں کا اس وقت ہندوستان میں ورود مسعود ہوا، جب ہندوستان کی زمین دوستانہ آب وہوا کو ترس رہی تھی۔مذہب، ذات پات، رنگ ونسل کی بنیاد پر عداوت ونفرت انگیزی کے سماجی، معاشی، سیاسی جرائم عروج پر تھے۔ہندوستانی معاشرہ ذات پات کے طبقات میں منقسم تھا۔انسانی غلامی کی زنجیریں نچلے طبقوں سے منسلک افراد کی گردنوں میں جکڑی ہوئی تھیں۔شدر جس کی پیدائش ہندو دھرم کی کتابوں کے مطابق پیروں سے ہوئی ہے، جو ہندو مذہب کی میتھالوجی میں گندے اور منحوس گردانے جاتے ہیں اونچی ذاتوں جیسے برہمن وچھتریہ، ویش کے پیروں کی پوشاک گردانے جاتے تھے بلکہ اس سے بھی ابتر حالات میں زندگی گزارنے پر مجبور تھے، شدر طبقہ سے تعلق رکھنے والے ان اوپری طبقہ کے لوگوں کے نوکر کہلائے، ان کی خدمت میں سدا حاضر رہتے تھے، آبادی میں ان کا بود وباش لوگوں سے الگ تھا، ان اوپری طبقہ والوں کے گھر سے ان کے گھر کی دیواروں کا ملنا دور کی بات ہے، ان کے گھروں کے سامنے، ان کی چوکھٹ پر بیٹھنا، ان کے کنویں اور تالاب سے پانی پینا، ان کے ساتھ کھانا کھانا، ان کے خداؤں کو خدا کہنا، ان کے مندروں کو اپنی عبادت گاہ سمجھنا، ان کی گلیوں کو اپنی گلیاں سمجھنا، سب شدروں کے لئے منع تھا۔جانوروں سے بدتر ان کی زندگی تھی، دھرم وکرم پر برہمنوں کا مکمل قبضہ تھا، ان کی جانیں اوپری طبقہ کے لوگوں کے لئے حلال تھیں، ان کی ماں اور بہنیں ان کی آسودہ نظر تھیں، قانون بنانا اور اصولوں کی پاسداری کرنا اور چند منٹ میں اس کو بکھیر دینا یہ سب اونچے طبقہ والوں کے دست کرم پر تھا اور یہ قومیں ان کے دست نگر میں تھیں، جس کی وجہ سے ان کی زندگی دشوار گزار وآتش فشاں بن گئی تھی، چہار جانب چھوا چھوت کی بیماری عام تھی، کوئی اونچے طبقہ کا آدمی مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد سے قبل نچلے سطح کے لوگوں کو گلے لگانے کے لئے تیار نہیں تھا، اور اس راہ مساوات میں درحقیقت ہندوستان میں صوفی تحریک بالخصوص چشتی بزرگوں کے ذریعہ تیزی آئی، مندروں میں ان کا داخل ہونا مکمل طور سے بند تھا، ان کے بچوں کو تعلیم حاصل کرنے، وید اور مذہبی کتابوں کے پڑھنے پر پابندی تھی۔حتی کہ البیرونی نے اپنی کتاب، کتاب الہند میں لکھا ہے کہ اگر شدر کے لئے وید کا پڑھنا ثابت ہو جاتا تو برہمن اس کی زبان کاٹنے کے لئے اسے حاکم وقت کی بارگاہ میں حاضر

کرتا تھا (ص ۱۶۳، اردو ترجمہ از سید اصغر علی، شائع کردہ انجمن ترقی اردو ہند دہلی)، اور ستم بر آں کہ سماج کے اس تصور و کردار کشی کرنے والوں کو سیاسی طاقتوں، مضبوط دفاعی اصولوں کی سیادت و قیادت بھی حاصل تھی۔ ہندوستان کی ایسی خطرناک صورت حال میں انانیت، نفرت و عداوت، چھوت چھات، سماجی درجہ بندی، ذات پات کی کمر توڑ مخالفت کرنے والے، فطرتاً سماج کے غریب الغربا افراد ہی تھے جو مسلمانوں کی طرف سے "درویش" کہلائے اور ہندو مذہب کے پیروکار کے درمیان بھکتی ازم سے مرسوم ہوئے۔ ان لوگوں نے تحریکیں چلائیں تاکہ ویدک دور سے اس قدر پھیلی ہندوستان میں سماجی برائیوں کا خاتمہ کرکے دبے کچلے باشندگان ہند، انسانوں کو، عزت واحترام، وقار، شان وشوکت سے حسین امتزاج رونق افروز زندگی بخشی جائے، جس سے ہندوستانی سماج کی ترقی و افراد میں شعوری طور پر بیداری، سیاسی و مذہبی افکار کی ترقی حاصل ہو۔ ان دونوں تحریکوں نے لوگوں کو اس کے تئیں بیدار کرنا شروع کیا، اور ایک دوسرے کو خود سے اپنے اصولوں کے تحت جوڑنے کا کردار و عمل پیش کیا جس کو صوفی وادی کی اصطلاح میں سلسلہ کہتے ہیں۔

سلاسلِ وقت اور مشاہیر زمانہ علما و چشتی بزرگان

سلسلہ پر لغوی معنی کی حیثیت سے بات کی جائے تو اس کا معنی جوڑنا، باندھنا ہوتا ہے۔ یہ خانقاہ کے مربی و مرشد اور اس کے مریدوں کے درمیان ایک مسلسل ربط پیدا کرنے کی علامت کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔ سلسلہ کی ایک کڑی دوسرے سے جڑی ہوئی ہوتی ہے جو سلسلہ کے تمامی بزرگوں سے گزرتے ہوئے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک اٹوٹ روحانی حصہ کے طور پر پہنچتی ہے۔ اسی باہمی ربط کی وجہ سے عوام جو بالواسطہ خدا اور اس کی تعلیمات مساوات، خیر خواہی، اخوت ومحبت سے ناآگاہ بلا واسطہ سلسلوں کے بزرگوں سے جڑ کر خداوند عظیم کی روحانی طاقت و قدرت کے اقرار کنندہ اور برکات بے انتہا سے مالا مال ہوتے ہیں۔ بغرض دعوت دین ہندوستان کی سرزمین پر مختلف سلسلوں کے بزرگ تشریف لائے، جنہوں نے لوگوں کو خداوند عالم سے جوڑنے کا کام کیا چند مشہور سلاسل مثلاً سلسلہ قادریہ چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ، فردوسیہ وغیرہ نے جہاں دین اسلام کی تعلیمات وفرمودات کی تبلیغ فرمائی وہیں خصوصی طور پر انہوں نے ہندوستان کی معاشرتی بہبود کی تشکیل میں اولین درجہ کی خدمات انجام دیں۔

ان سلاسل سے منسلک چند مشہور ترین صوفی بزرگ، علم و فضل سے بہرہ ور، اپنے ہم عصروں میں ممتاز، جنہوں نے ہندوستان میں بے پناہ خدماتِ جلیلہ پیش فرمائی وقومی افادات کے تحت منصوبوں کو عمل میں لائے، آزمائش قوم کے وقت ان کے عقائد و اعمال کی اصلاح فرمائی اور سرکش بادشاہ کی ظالمانہ نظام ونصاب کی سر دست سرکوبی کی، کتابیں لکھیں، قوم کے شعور و ادراک میں اضافہ پیدا کرنے کا سبب بنے، سرفہرست ان کے نام یہ ہیں: نور الدین مبارک غزنوی، مولانا مجد الدین، شیخ ضیاء الدین رومی، قاضی حمید الدین ناگوری، خواجہ رفیع الدین باقی باللہ، مجدد الف ثانی، عبد الحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ دہلوی، حضرت مرزا مظہر جان جاناں، حضرت شاہ غلام علی شاہ، نعمت اللہ قادری، سید محمد غوث گیلانی، مخدوم شیخ عبد القادر ثانی اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی، سید شاہ عبد الرزاق بانسوی قادری، حضرت وارث علی شاہ، حضرت رکن الدین فردوسی، شیخ نظم الدین فردوسی، شیخ شرف

الدین یحیٰی منیری، حضرت نظام الدین اولیا دہلی، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی وغیرہم۔ ان کے علاوہ اصفیا اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی فہرست میں ہندوستان کے تاریخ وسطیٰ کے دوران بے شمار افراد آئے جنہوں نے اس ظلمت کدہ سرزمین پر دین اسلام کی تعلیمات سے اس کی آبیاری فرمائی، وحدت اقوام کے فلسفۂ بے خودی کو پیش کیا، مذہبی یا عارفانہ علوم کی تعلیم دینے کے ساتھ، لوگوں کی فکروں کی بھی تجدید کیں، اخلاقی اصولوں سے ان کو مربوط فرمایا، اور دینی، قومی، نسلی، زبان وعلاقہ کی بنیاد پر پھیلے ہوئے تعصب کے خلاف ایک انسان دوست، غم خوار جگر، اخوت ومساوات سے لبریز موقف کی ترویج کے لئے تحریکیں چلائیں۔ ایک جگہ کو اپنے لئے خاص کیا جو بارہویں صدی میں مرکز گاہ یا خانقاہ کے نام سے موسوم ہوا۔

صوفی خانقاہوں کا معاشرتی وتعلیمی ترقی میں کلیدی کردار

بارہویں صدی میں خانقاہ کا مکمل طور سے ہندوستان میں قیام ہوگیا، جہاں سے سماج وقوم کی بھلائی کی خاطر منصوبہ بندی کی جاتی تھی، سماج وقوم کے اصل دھارے سے منقطع شدہ افراد کو جوڑا جاتا تھا، اوران ہی خانقاہوں میں غریبوں کے کھانے، پینے الغرض معاشرتی اور حیات معنوی کے طور پر سماج کے غریب، افلاس زدہ افراد کی تعلیم وتربیت بھی کی جاتی تھی، اس کے علاوہ تاریخ وسطیٰ سے ہی لوگ عام طور پر مریضوں اور بیماروں کے علاج کے لئے خانقاہ جاتے تھے اور بابا صوفی منش درویش سے دعا کراتے تھے، جیسا کہ مغل بادشاہوں میں اکبر چشتی سلسلہ کے ہندوستان میں بانی ومبانی خواجہ خواجگان خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں بیٹے کی ولادت کی نسبت سے دعا کرنے و زیارت کے لئے حاضری دیتا تھا، نتیجتاً اللہ تعالیٰ نے سلیم نام کا ایک خوبصورت شاہزادہ عطا فرمایا۔ یہ خانقاہیں اور صوفیانہ تحریکیں اور ان کے پیغامات نے ہندوستان کی سماجی حیثیت کو یکسر بدل ڈالا، ہندو مسلم بلا تفریق ذات سب خانقاہوں پر حاضری دیتے تھے اور یہ سلسلہ آج بھی قائم ہے۔

انہی خانقاہوں سے بہت سے غیر مسلم افراد نے بھی تعلیم حاصل کی۔ صوفی فلسفہ سے متاثر ہو کر ذات پات کی تفریق کو چھوڑ کر خدا کی یکتائیت کے قائل ہوئے، ان میں ایک قابل ذکر نام مشہور ہندو سنت اور شاعر کبیر داس کا ہے، جو ۱۵ ویں صدی کے دوران صوفی تصورات ونظریات سے متاثر ہو کر ہندوستان میں ہم آہنگ سماج، قوموں کی زندگی میں اتحاد برقرار رکھنے کے لئے لڑتے رہے۔ اور ویدک تہذیب وتمدن کو للکار کر اور ایک خدا میں یقین رکھنے کے دعوے ودلیل کے ساتھ ویدک تہذیب سے ہٹ کر ملنسار، محبت وشفقت، بھائی چارگی سے لبریز، ذات ونسل پرستی کے ازالہ کے ساتھ ہندوستان کو ایک ہم آہنگ معاشرہ عطا کیا اور ہندوستانی معاشرے کی تشکیل نو دینے والی جماعتوں کا حصہ بنے۔ جس میں انوکھا کردار چشتی خانقاہوں اور چشتی سلسلہ کے بزرگوں کا سرفہرست رہا ہے۔

برصغیر پاک وہند میں کئی بادشاہوں اور حکمرانوں نے صوفی تعلیمات سے متاثر ہو کر صوفی بزرگوں اور خانقاہوں کے ساتھ تعلقات استوار کئے۔ یہ تعلقات اکثر ثقافتی اور مذہبی ہم آہنگی کی سہولت فراہم کرتے ہیں۔ جیسا کہ اکبر کا نام اوپر ذکر ہو چکا ہے، چشتی سلسلہ کے ایک شیخ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا سلطان

التمش عقیدت مند تھا، جس نے اپنی محبت کے ثبوت کے طور قطب مینار دہلی آپ کے نام سے تعمیر کرایا، اسی طریقے سے راجہ ٹوڈرمل اور راجہ بیربل جو اکبر بادشاہ کے قابل اعتماد وزیر، اور درباری تھے یہ دونوں صوفی تعلیمات کے مطابق سازگار مزاج رکھتے تھے اور ان خانقاہوں سے پیدا ہونے والی مذہبی ہم آہنگی کی حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے، حتیٰ کہ ان خانقاہوں سے روحانی اور اخلاقی اقدار کی پھوٹنے والی شمع فروزاں کا اقرار کیا اور اس کے ذریعہ سے مختلف مذہبی برادریوں کے درمیان پرامن بقائے باہمی کو فروغ دینے کی کوشش کی۔

ہندوستان کی ابتدائی اقتصادی، سماجی، ثقافتی حالت سے لے کر تاریخ وسطی ہند تک کے جغرافیائی حقیقت کو سمجھنے کے بعد چشتیہ سلسلہ کی نشر و اشاعت پر بات کرنا آسان ہے، اور اس موضوع کو سمجھنے کے لئے ہندوستان کی سماجی ابتری حالت کو سمجھنا ضروری تھا، تاکہ ان کی اشاعت اور اس سلسلے سے منسلک بزرگوں کی خدمات کی اہمیت و افادیت مکمل طور سے قارئین پر واضح ہو سکے، چشتی سلسلہ کی ہندوستان میں آمد سے قبل کی تصویر پیش کرنا، موضوع کا ایک ضروری باب تھا، اور کن طریقوں سے ہندوستان میں اس سلسلے کی اشاعت کے ساتھ ہندوستانی تہذیب و تمدن میں تبدیلی آئی اور کن طریقوں سے اسی ماحول میں اس کی نشو و نما ہوئی، وہ قابل غور ہے اور ان بزرگوں نے کن اصولیات پر چل کر ان مشکل وقتوں میں دین اسلام کی خدمت فرمائی، وہ ہم سبھی لوگوں کے لئے قابل قدر ہی نہیں بلکہ قابل تقلید بھی ہونا چاہئے، جو چشتیہ سلسلے کی ہندوستان میں پذیرائی پانے کی اہم وجوہ میں شامل ہیں۔

چشتیہ سلسلہ کی ہندوستان میں نشو و نما

شجرۃ الانوار اور تاریخ کی دیگر کتابوں سے یہ ثابت شدہ ہے کہ اس سلسلے کا انتساب کسی بزرگ ذات سے نہیں ہے بلکہ خراسان کے مشہور شہر چشت سے منسوب ہے جہاں چند بزرگان دین نے اصلاح و تربیت کا ایک مرکز قائم کیا تھا جس کو اس قدر عزت و شہرت ملی کہ سلسلہ چشت کی نسبت سے چشتیہ کہلانے لگا۔

کتاب مشائخ چشتیہ اور صابریہ میں مزکور ہے کہ حضرت ابو اسحاق شامی متوفی ۳۲۹ھ مطابق ۹۵۰ عیسوی، یہ وہ پہلے صوفی بزرگ ہیں جن کے ذریعہ باقاعدہ اس سلسلے کا اغاز ہوا۔ صوفیائے کرام میں انہی بزرگ کے نام کے ساتھ سب سے پہلے چشتی کی صفت نسبتی ملتی ہے۔ (ص ۵۲، از رضی احمد کمال)

لیکن ہندوستان میں چشتی سلسلہ کو قائم کرنے کا شرف متفقہ طور پر خواجہ خواجگان معین الدین چشتی علیہ الرحمہ کے سر پر سجتا ہے، جو دین اسلام کی تعلیمات کو پھیلانے کی غرض سے ہندوستان تشریف لائے اور چشتی سلسلے کو ہندوستان میں قائم فرما کر اس کے دروس و پیغامات کو لوگوں تک پہنچایا، دین اسلام کی پرزور حمایت کی، مخلوق خدا کی خدمت کی، جس کی وجہ سے ہندوستانی تاریکی معاشرے پر اتنا اچھا اثر قائم ہوا کہ جوق در جوق لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے اور پرتھوی راج کے دور حکومت میں اجمیر کو اپنا مسکن بنا کر تبلیغ و اشاعت کا کام کرنا شروع کر دیا۔ میر خورد نے سیر الاولیاء میں ان کو دین اسلام کی تعلیمات و فرمودات رسول کی تشہیر فرمانے اور تا عمر اس کی خدمت کرنے کے عوض میں "نائب رسول اللہ فی الہند" لکھا ہے۔ (فارسی، ص ۴۵ بحوالہ کتاب تاریخ چشت، ص ۱۴۲)

اکبر بادشاہ کے دور کا ایک مشہور مورخ ابوالفضل اپنی کتاب آئین اکبری میں اس چیز کی منظرکشی کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "عزلت گزین باجمیر شد، و فراوان چراغ بر افروخت، و از دم کبراے او گروھا گروھا مردم بھرہ بر گرفتند"۔

ہند میں چشتی سلسلہ کے بانی خواجہ خواجگان علیہ الرحمہ کے قدم رنجہ فرمانے سے اس سرزمین کی سماجی، سیاسی، مذہبی ہیئت میں تبدیلی واقع ہونے لگی، آپ کا ہند تشریف لانا ہمہ جہت سے ایک زبردست عرفانی، نورانی انقلاب تھا۔ بارہویں صدی میں اور اس سے ماقبل زمانہ ہندوستان کی کیا صورت حال تھی، اس پر متفقہ طور پر مورخین نے یہ بات لکھی ہے کہ ہندوستان کی سماجی حالت بے حد تباہ شدہ تھی، قوموں میں اتحاد و یگانگت کا کوئی دور دور تک نام و نشان نہیں تھا، طبقاتی نظام سارے دستور پر حاوی تھا، اوپر ذات والے مالک کل تھے، غریب عوام پر مصائب و آلام کے دردناک پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے، جیسا کہ پروفیسر خلیق احمد نظامی ابوالریحان بیرونی کے حوالے سے اپنی کتاب تاریخ مشائخ چشت کے صفحہ نمبر ۱۴۵ پر لکھتے ہیں: زندگی ان (غریبوں) کے لئے بوجھ تھی اللہ نے انہیں آدمی بنایا تھا لیکن اس کے بندوں نے انہیں جانوروں جیسی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

البیرونی لکھتا ہے کہ "ہندوؤں میں بکثرت ذاتیں ہیں ہم مسلمانوں کا مسلک عام مساوات نیز اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ کے مطابق ان سے بالکل جداگانہ ہے اور یہی وہ سب سے بڑی رکاوٹ ہے جو ہندو اور مسلمانوں کے درمیان حائل ہے"۔ اور آگے لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے چھوت چھات کے اس بھیانک ماحول میں اسلام کا "نظریہ توحید" عملی حیثیت سے پیش کیا اور بتایا کہ یہ صرف ایک تخئیلی چیز نہیں ہے بلکہ زندگی کا ایک ایسا اصول ہے جس کو تسلیم کرنے کے بعد ذات پات کی سب تفریق بے معنی ہو جاتی ہے۔ یہ ایک زبردست دینی اور سماجی انقلاب کا اعلان تھا۔ ہندوستان کے بسنے والے ہزاروں وہ مظلوم انسان جن کی زبوں حالی پکار رہی تھی

ع جینے سے مراد ہے نہ مرنا شاید

خواجہ صاحب نے ہندوستان کے محولہ جغرافیہ میں کام کرنا شروع کیا، اور اس سلسلے کی اشاعت ہوتی چلی گئی، کثیر تعداد میں لوگ وابستہ ہوئے، اور جہاں تک جیسی جیسی مخلوق خدا کی خدمت کرنے کی ضرورت پڑتی آپ اپنے حلقۂ ارادت میں سے لوگوں کو بھیجتے رہتے تھے، اور وہ مکمل طور سے استاد کے بتائے ہوئے قوانین وضوابط پر سختی سے عمل پیرا رہتے، اور دین کی ہمہ جہت سے خدمت کرتے رہتے، لوگ ان سے جڑتے رہتے، دینی اور چشتی مشرب کا حلقہ بھی بڑھتا چلا جاتا۔ چشتی سلسلہ کے ہندوستان میں فروغ کا ایک اہم ذریعہ افراد سازی کا رہا ہے، جنہوں نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں جا کر دین کی اشاعت کا کام کیا، مدارس و مساجد، خانقاہیں بنائیں، جہاں سے چشتی مشرب کو خوب فروغ حاصل ہوا۔

جیسا کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اپنی کتاب "تاریخ دعوت وعزیمت" میں لکھتے ہیں کہ تقریباً نصف صدی ارشاد و تلقین اسلام کی اشاعت اور داعیان اسلام و اہل قلوب کی تعلیم و تربیت اور یاد حق میں سرگرمی کے ساتھ مشغول رہ کر ۹۰ رسال کی عمر میں اس وقت رحلت فرمائی جب ہندوستان میں ان کے ہاتھ کا لگایا ہوا

پودا جڑ پکڑ چکا تھا اور دارالحکومت دہلی میں ان کا جانشین وتربیت یافتہ شیخ وقت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ارشاد وہدایت کے کام میں سرگرم ومنہمک تھا اور ان کا عقیدت مند وحلقہ بگوش سلطان شمس الدین التمش اسلامی حکومت کی توسیع و استحکام اور عدل گزری وخلق پروری میں مشغول تھا۔ (جلد سوم مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنؤ، ص ۳۰۔۳۱)

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی

حضرت خواجہ صاحب نے اپنے ایک مرید اور خلیفہ کو دلی میں رکھ کر سلسلے کی نشر واشاعت پر متعین کر دیا جن کا نام نامی اسم گرامی خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ ہے جنہوں نے شمالی ہندوستان میں چشتی سلسلہ کو پھیلانے میں اہم کردار بنھائی اور اپنے مرشد کے بتائے ہوئے اصول وضوابط پر سختی سے عمل پیرا رہے، اور مدت العمر دین اسلام اور مخلوق خدا کی خدمت کرتے رہے۔

آپ جس وقت دہلی تشریف لائے، اس وقت دہلی کا بادشاہ شمس الدین التمش تھا، اس نے آپ کی خوب خاطر ومدارات فرمائی، حتی کہ آپ کے عقیدت مندوں میں شامل ہوگیا۔ آپ کی بارگاہ میں سلطان برابر حاضر ہوتا رہتا تھا، اور آپ کے ارشاد و ہدایت پر عمل بھی کرتا تھا، بادشاہ نے رعایا، مسافر کو پانی پلانے کے غرض سے حوض شمسی تعمیر کرایا، جس میں آپ بادشاہ کے اہم مشیر رہے۔ غریبوں ومسکینوں کی تیمار داری فرمانا، آپ کا خاص ہدف رہا۔ قطب صاحب اپنی زندگی کی آخری سانس تک دہلی میں مقیم رہے، اور آپ کا مرقدِ مبارک بھی دہلی ہی میں بنایا گیا جو آج بھی مہرولی میں مرجع خلائق ہے اور ہزاروں تشنگان معرفت و عقیدت مندوں کے لئے زیارت گاہ ہے۔

شیخ حمید الدین ناگوری

خواجہ صاحب کے ایک اور خلیفہ شیخ حمید الدین ناگوری علیہ الرحمہ، جنہوں نے ناگور راجستھان میں قیام فرما کر دین و مذہب کا کام کیا۔ ان بزرگوں اور خصوصی طور پر چشتی سلسلہ سے منسلک بزرگوں کا یہ خاص خیال رہا ہے کہ سلطنت اور بادشاہوں سے دور رہتے تھے، ان کی داد وتحسین، بارگاہ میں درباری علما وفضلا کی فہرست میں شمولیت سے، ان کی طرف سے کوئی عہدہ قبول کرنے سے بالکل دور رہتے تھے، کسی بھی قسم سے ریاست کے حاکم ومحکوم بننے کی چاہت ان میں نہیں تھی، اور یہ خواجہ صاحب کی اپنے خلفا کو خاص وصیت ونصیحت اور چشتی سلسلہ کے بنیادی اصولوں میں سے ہے کہ دنیاوی جاہ وحشمت کے حرص وہوس سے دل کو پاک رکھتے، اور رئیسوں کی قربت سے دوری اختیار کرتے تھے۔

جیسا کہ پروفیسر خلیق احمد اپنی کتاب تاریخ مشائخ چشت کے صفحہ نمبر ۱۴۷ پر لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ والی ناگور نے شیخ حمید الدین ناگوری کو اپنی جانب سے کچھ زمین اور نقد روپیہ پیش کیا اور قبول کرنے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا:

مرا طریق امارت نہیں محبت ہے۔

آپ نے خواجہ صاحب کی تعلیمات کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا، اور خدا کی راہ میں چلتے رہے، اور دین کی اشاعت اور مخلوق خدا کی خدمت کو زندگی کی اولین ترجیح میں شامل کیا، لوگوں کو تعلیم وتدریس کی طرف رغبت دلائی، علم سکھایا اور دینی حمیت و غیرت لوگوں میں پیدا کرنے کے لئے بے چین رہے، اور ان کی زندگی کے منصوبوں میں سے رہا ہے کہ مسلمان دین کے بنیادی

مسائل و احکام اور اوامر و منہیات سے پوری طرح سے واقف و باخبر ہوں اور عملی طور پر اسے اپنی زندگی کا حصہ بنائیں، اسی لئے آپ نے جہاں علم تصوف کی ترویج فرمائی، جو درحقیقت احادیثِ نبوی کا حصہ ہے، آپ نے بالواسطہ علم حدیث کے سکھانے اور پڑھنے پڑھانے میں اپنا زیادہ تر وقت دینا پسند فرمایا۔ ایک دن آپ اپنے ایک مرید سے فرمانے لگے: مرا این جا مشغولی ست که خلق ناگور دری وقت از ما علم احادیث می شنوند و مرا فرصت نیست که درین میان ترا علم تصوف بیاموزم۔ (مجھے یہاں یہ مشغولیت ہے کہ آج کل ناگور کے لوگ مجھ سے علم حدیث سنتے ہیں اور مجھے فرصت نہیں کہ اس دوران میں تجھے علم تصوف سکھاؤں)۔ (سرور الصدور، ص ۳۷ قلمی بحوالہ محولہ، ص ۱۴۹)

آپ نے تبلیغ دین کی غرض سے عوام وخواص کی مجلسوں میں شرکت فرمائی، مخلوق خدا کی تربیت فرمانے کی خاطر ہمیشہ ان کے درمیان رہے، دینی مسائل میں آپ کی بالغ نظری کو دیکھتے ہوئے سلطان التمش نے شیخ جلال الدین تبریزی کے خلاف ایک جھوٹے الزام کی تحقیق وجستجو کے سلسلے میں آپ کو مدعو کیا۔ ان کثیر ترین مصروفیات کے باوجود آپ نے لکھنے کو بھی اپنی ذاتی زندگی کی مصروفیات میں شامل رکھا، جہاں آپ نے لسانی، تقریری، بیان وزبان کو ذرائع دعوتِ حق بنایا، وہیں آپ نے اس میدان کو بھی اپنے نوکِ قلم سے خاص تعاون بخشا، آپ صاحب تصانیف ومکتوبات بزرگوں میں آتے ہیں، آپ کی قلمی خدمات وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں: آپ کی ایک کتاب ’’اصول طریقہ‘‘ علما وصوفیا میں بہت مقبول تھی خاکسار کے قلمی کتب خانے میں ان کے مکتوبات کا ایک مجموعہ ہے جس کا ہر خط ’’اے جان من‘‘ سے شروع ہوتا ہے۔ (حوالہ بالا، ص ۱۵۰)

شیخ نظام الدین اولیا

شیخ نظام الدین اولیا جو بابا فرید صاحب کے مرید وخلیفہ تھے، جیسا کہ یہ حقیقت پسند بات ہے کہ ہندوستان میں چشتی سلسلہ کی داغ بیل حضرت معین الدین چشتی اجمیری کے ہاتھوں سے پڑی، حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی کوششوں اور محنتوں نے اسے منظم و پائدار بنایا، اور محبوب اولیا شیخ نظام نے اس سلسلہ کو بام عروج پر پہنچایا۔ تیرہویں صدی میں آپ دہلی تشریف لائے، غیاث پور میں اپنی خانقاہ بنائی، جو آج درگاہ وعلاقہ نظام الدین اولیا کے نام سے مشہور ہے، اہل اسلام وایمان کا مجمع عام لگا، دین کی تعلیم اور سلسلہ کے مقصد، عشق رسول کو مطمح نظر رکھا، مخلوق خدا کی خدمت فرمائی، دہلی جیسے آسودہ حال شہر میں قناعت پسندی کو اختیار کیا، اور تنگ وعسرت حال میں زندگی گزاری اور تاہم پوری زندگی کلمۂ حق کی بلندی کے لئے وقف کردی۔ کتاب سیر الاولیا کے مطابق حضرت محبوبِ الٰہی کی خانقاہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا، اس خانقاہ کا خصوصی امتیاز یہ رہا کہ ہمیشہ غریب وسادہ لوح افراد کے لئے لنگر انداز رہی۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ آپ مسلسل روزے رکھتے تھے اور سحری کے وقت اس لئے کھانا نہ کھاتے تھے کہ شہر میں کچھ لوگ بھوکے سو رہے ہوں گے۔ خلق کی اس دردمندی نے انہیں اقلیم دل کا حکم بنا دیا، کوئی شخص اپنی لڑکیوں کے رشتے کی وجہ سے پریشان ہوتا تو ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ کوئی سلطان کی بے التفاتی سے رنجیدہ خاطر ہوتا تو ان سے

عرض حال کرتا۔ دل میں کوئی خلش ہوتی تو بے اختیار غیاث پور کی طرف قدم اٹھنے لگتے، حضرت محبوب الٰہی ہر ایک کا درد وغم سنتے، اس کے زخموں پر مرہم لگاتے اور پھر بارگاہ خداوندی میں ایک ایک تکلیف اپنے اوپر طاری کرکے دعا فرماتے۔ (تاریخ مشائخ چشت، ص ۱۷۲)

مشہور مورخ ضیاء الدین برنی مصنف تاریخ فیروز شاہی، جو آپ کا مرید بھی تھا، شیخ کے دہلی وقرب وجوار میں قائم اثرات کے متعلق لکھتے ہیں کہ اسی زمانے میں شیخ الاسلام نظام الدین نے بیعت عام کا دروازہ کھول رکھا تھا وہ گنہگاروں کو خرقہ پہناتے تھے اور ان سے توبہ کراتے تھے۔ ہر شخص کو خواہ خاص ہو یا عام، مالدار ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا متعلم، جاہل ہو یا شریف بازاری ہو یا شہری آزاد ہو یا غلام ہر ایک کو تکیہ عطا فرماتے، مسواک دیتے اور توبہ کراتے تھے اور سب لوگ چوں کہ اپنے آپ کو حضرت کا مرید اور خدمتگار سمجھتے تھے اس لئے بہت سی ناکردنی باتوں سے پرہیز کرتے تھے۔ (تاریخ فیروز شاہی، ص ۳۴۴، ماخوز از حوالہ مذکور ص ۱۷۴)

اس مردِ خدا نے دہلی کی مرکزیت کے منتقل ہونے کے دور میں، جہاں خالص افراتفری، ماحول کی پژمردگی جیسے اوقات کو دیکھا، لوگوں سے گالیاں اور بادشاہوں سے شہر چھوڑ جانے تک کی دھمکی سنی، لیکن خدائی اصولوں پر عامل ہو کر طریقت اور اسلام کے خالص روحانی فلسفہ تصوف کے ذریعہ مخلوق خدا کی جو خدمت فرمائی، اور آج بھی جس شان ورفعت کے ساتھ معتقدین و غیر معتقدین کے درمیان اپنی عدالت، میانہ روی، حلم و بردباری، دوستی وغمخواری کا جو پرچم لہرا رہے ہیں وہ ہم سبھی لوگوں کے لئے قابل تقلید و ساطا نے رفت و ساطا نے آمد کا مظہر ہے، کہ حکومت دہلی کی کرسی پر کوئی بھی بیٹھے لیکن سلطنت کے اصل کارزار، بادشاہ، نظام دین وملل ہیں۔ اسی لئے اپنے وقت کے علما وفضلا اس مردِ مو[من] کے تحت اپنی یادگار قلمی نکات لکھ گئے کہ ہم ہندوستانیوں کے لئے ان جیسے صلحا و صاحب عرفان بزرگوں کی اتباع میں ہی کامیابی [کا] راز مضمر ہے۔ جیسا کہ پروفیسر محمد حبیب صاحب نے غالباً حضرت محبوب الٰہی کے عظیم الشان اور حیرت انگیز اثرات کے پیش نظر ان کو ہندوستان کا سب سے بڑا مسلمان بزرگ بتایا ہے۔ علامہ اقبال نے ان کو خضر و مسیحا سے بھی اونچا مقام دیا ہے، فرماتے ہیں

تیری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

یہ بات حق ہے کہ کسی بھی مشن کی تکمیل اور اس کے منصوبوں کی بین الاقوامی ترسیل کے لئے افراد کی ضرورت پڑتی ہے، اور افراد کو پیدا کرنا، اور ہو بہو سب کو اپنے منصوبہ کے رنگ میں رنگنا، یہ اور بڑا کام ہے، تاکہ لما تقولون مالا تفعلون کے مصداق نہ ہو جائیں، ان کی خوب تربیت کر کے اچھا داعی بنانا ان سبھی راستوں سے گزر کر چشتی سلسلہ اور بزرگان سلف نے دین اسلام کی تعلیمات کو ہندوستان جیسی تنگ مزاج اور تنگ زمین رہنے کے باوجود اس پر پھیلانے کا کام انجام دیا اور حضرت محبوب الٰہی کی کوششوں سے چشتیہ سلسلہ کے اثرات ہندوستان کے ہر حصے میں پہنچ گئے جیسا کہ صاحب گلزار ابرار نے لکھا ہے کہ ان ایام میں زمین ہند کو عجیب زمانہ حاصل تھا۔ کیوں کہ آپ کی بارگاہ خلافت سے وقتاً فوقتاً نئے نئے خلیفہ روانہ ہوتے تھے ان کی فیض پاشی سے ہند کا ہر مکان اور ہر قطعہ زمین ہدایت آباد تھا۔ ایک روایت

ہے کہ آپ نے بڑے بڑے شہروں میں بڑے بڑے مرتبے اور بڑی بڑی کرامتوں والے ۷۰۰ خلفا ایسے روانہ کئے تھے کہ ہر شخص کے سینے سے گویا عرفان کا آفتاب طلوع ہوا تھا۔ (گلزار ابرار، اردو، ص ۸۴_۸۵، ماخوز از تاریخ مشائخ چشت، ص ۱۷۵)

محبوب الٰہی کے چند مشہور خلفا

مولانا شمس الدین یحیی، شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی، شیخ قطب الدین منور، مولانا حسام الدین ملتانی، مولانا فخر الدین زرادی، مولانا علاؤ الدین نیلی، مولانا وجیہ الدین یوسف، مولانا سراج الدین عثمانی، مولانا شہاب الدین امام، شیخ برہان الدین غریب، قاضی محی الدین کاشانی خواجہ محمد امام وغیرھم۔

ان بزرگوں نے خواجہ محبوب الٰہی کے زیر سایہ تعلیمی و روحانی پرورش پاکر ملک کے مختلف علاقوں میں جاکر، اور وقت ضرورت اپنے شاگردوں کو بھیج کر دین اسلام کی اشاعت، ہندوستان کے طبقاتی نظام اور ذات پات، نسل و رنگت کی بنا پر منقسم سماج کی تردید فرمائی اور پرچم وحدانیت کو بلند کیا۔ اخوت و محبت، مساوات انسانی، حقوق العباد و حقوق اللہ کے دروس و پیغامات اور بروقت کتابوں اور تحریروں کے ذریعے ہندوستانی معاشرے اور قوموں کی اصلاح فرما کر معاشرتی اور روحانی زندگیوں میں انقلاب برپا کردیا۔

اوپر جتنے بھی بزرگوں کے اسما مبارکہ کا ذکر ہوا انہوں نے ہندوستان کے مختلف صوبوں میں جاکر، وہاں عند الحاجت مستقل بود و باش اختیار کی اور وہاں چشتیہ مشرب اور سلسلہ کی بنیاد بھی، خانقاہ بنائیں، درس قرآن وحدیث کو عام کیا، اور لوگوں کو چشتی سلسلہ سے جوڑ کر دین اسلام کی طرف مکمل رہنمائی فرمائی، جس سے ہند کی زمین پر یہاں کے انسانوں کی زندگیوں میں فلاح و بہبود کی تصویر مرصع ہوئی، اور وہ بزرگ ہیں جو چشتیہ سلسلے کے مرکزی نظام اور اس تار سے وابستہ رہے۔ ان کے علاوہ ان شخصیتوں سے بے شمار علما و فضلا، دانشوران نے اکتساب فیض کیا، اور ان چشموں سے لاتعداد چشمے، نہر، دریا، وجود میں آئیں۔

یہاں تک سلسلہ چشتیہ کے دور اول کی تصویر ہے۔ بابا فرید کے دو قابل فخر خلفا، خواجہ نظام الدین اور صابر پاک علیہم الرحمہ جنہوں نے سلسلہ چشتیہ کی اشاعت میں بے لوث خدمات انجام دیں اور افراد پروری میں ان دونوں بزرگوں نے وہ مانندِ مسیل افراد پیدا کیے کہ راہ مقصد میں کبھی سقط نہیں آئی جس کی روانی کو وقت کے تلاطم خیز طوفان بھی نہیں روک سکے، بلکہ مختلف افراد پیدا کرکے اپنی ذمہ داری ایک دوسرے کے سپرد کرتے گئے۔

جب سلطنت دہلی کی مرکزیت ختم ہوئی اور علاقائی اور صوبہ جاتی نظام اور جاگیر دارانہ اصول پنپنے لگے، دہلی سے سلطنت کا مرکزی نظام یکسر تباہ ہوا تو یہ بات حق ہے کہ بنگال، دکن، مالوہ، جون پور اور گجرات میں مختلف خود مختار سلطنتوں کا قیام ہوا اور ان سلطنتوں میں خود مختاری آئی۔ اسی طرح جب چشتیہ سلسلہ کا مرکزی نظام درہم برہم ہوا، دہلی میں حضرت نظام الدین اولیا کی وفات کے بعد اس سلسلہ کی قیادت کرنے والا کوئی نہیں بچا تو ہندوستان کے مختلف صوبوں میں مرکز سے غیر متعلق خانقاہیں قائم ہوئیں، لیکن یہ بات واضح رہے کہ اس راہ میں جغرافیائی مرکزیت پر زوال ضرور آیا ہے لیکن بنیادی اصولوں پر کچھ فرق نہیں پڑا، اسی رنگ و روپ، اصول و ضوابط کے ساتھ ملک کے مختلف علاقوں میں خانقاہوں کا قیام ہوا جہاں سے اس علاقے کی مذہبی، سماجی ترقی پر

مبنی اصولوں کا مجموعہ حیات عام ہوا، اور چشتیہ سلسلے کی ترویج اور اس کے نہضتِ جدیدہ کی تبلیغ میں کلیدی کردار ادا کیے۔ جس کا بحسب علاقہ جات مختصراً تعارف مندرجہ ذیل ہے:

بنگال

بنگال میں شیخ سراج الدین المعروف بہ اخی سراج یہ چشتیہ سلسلہ کے پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے بنگال میں سلسلہ کی ترتیب وتنظیم کا کام کیا۔ بنگال میں چشتیہ سلسلے کی نشر و اشاعت اور اسلامی تہذیب وتمدن کی ترویج وتبلیغ حضرت اخی سراج اور ان کے مریدین کے ذریعے ہوئی جن میں آپ کے مشہور ترین خلیفہ علاء الحق بن اسعد جنہوں نے پنڈوہ میں چشتی مشرب کے چشمہ زلال کو عام کیا اور تا زندگی اس کی دیکھ ریکھ کی، آپ کے بعد آپ کے خلفا حضرت نور قطب عالم، میر سید اشرف جہانگیر سمنانی نے سلسلے کو مقبول عام بنانے میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی، چشتی سلسلہ کے اصولوں پر عمل پیرا رہے، مسلمانوں کے خلاف کسی بھی قسم کے اٹھتے ہوئے طوفانوں کا رخ موڑنے اور اس کا قلع قمع کرنے کے لیے ہمیشہ برسرِ پیکار رہے، جیسا کہ اس دور میں بنگال کی سیاست میں ایک الگ ہی قسم کا موڑ آچکا تھا، راجہ کنس جو مسلمانوں کی قوت کا خاتمہ کرنے پر تلا ہوا تھا، حضرت نور قطب عالم نے سلطان ابراہیم شرقی کو بنگال پر حملہ کرنے کی دعوت دے کر اس کی بیخ کنی فرمائی۔ اس کے علاوہ آپ کے ایک اور مشہور مرید وخلیفہ مولانا حسام الدین مانک پوری تھے ان کے متعلق شیخ محدث نے فرمایا ہے:

از اعیان مشائخ وقت خود بود
علم بود بعلم شریعت و طریقت

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ ان کے ۱۲۰ رخلیفہ تھے، جن میں چند مشاہیر خلفا کے نام یہ ہیں: حامد شاہ ابن سید راجہ شاہ مانک پوری، سید مسعود ابن سید ظہیر پوری، سید محمد امیر بدہا، مولانا کمال الدین عز اللہ، مولانا شہر اللہ ابو القاسم ملتانی، شیخ نصر الدین ملتانی ابن شہر اللہ، مولانا فر الدین سالار عراقی، شیخ احمد قنوجی، معین الاسلام ادہی، مولانا منہاج الدین بہاری، مولانا جمال الدین حسن، شیخ ضیاء الدین یوسف داؤد کروی، مولانا محمد علاؤ الدین کروی، شیخ شہاب مانک پوری المعروف بہ ارزانی شاہ وغیرھم۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت نور قطب عالم کی کوششوں سے جس طرح سلسلہ کی خانقاہیں بنگال، بہار، جون پور وغیرہ میں قائم ہوئیں اور یہی وہ بنگال ہے جہاں پر آج علم وفضل، عرفان و آگہی، شعور و ادراک کی شمع فروزاں ہے، لیکن بنگال میں مسلمانوں کی آمد کے کئی عرصے گزر جانے تک تاریکی ہی تاریکی تھی، جہالت مثل خشک برآب یہاں کی آبادیوں اور باشندوں پر پھیلی ہوئی تھی، جس کی صحیح ترجمانی بزبانی ابن بطوطہ جہنم پر از نعمت جیسی رہی، مسجد ومحراب کا قیام ہوا، میناروں سے اذان کے کلمات بلند ہوئے، رفتہ رفتہ یہی بنگال علم وفن کا ایک زبردست مرکز بن گیا اور شیراز تک اس کی خوشبو دار فضا، اسلامی نقطۂ نظر کے موافق بن کر پھیلی، جس کے شواھد حافظ کے اس شعر سے ملتے ہیں:

شَکَّر شِکَن شَوَندہ مہ طوطیانِ ہند
زین قندِ پارسی کہ بہ بَنگالہ می رود
آن چشم جادوانۂ عابدفریب بین
کش کاروانِ سحر ز دنبالہ می رود

حافظ زشوقِ مجلس سلطان غیاثِ دین
غافل مشو کہ کارِ تو از نالہ می رود

دکن

اسی طریقے سے دکن میں شیخ برہان الدین غریب یہ پہلے چشتی بزرگ تھے، جنہوں نے سرزمین دکن پر قدم رکھا، اور آپ کے ارشاد و ہدایت سے لبریز ملفوظات حماد بن عماد کاشانی کے ذریعے ''احسن الاقوال'' کے نام سے جمع کیا گیا ہے جس کا ہر ہر لفظ اس بات کے عین مطابق ہے کہ وہ اپنے مریدوں کی اصلاح و تربیت کی طرف خاص توجہ فرمایا کرتے تھے، اور اعلاء کلمۃ الحق و احیائے دین آپ کی زندگی کا خاص ہدف تھا۔ آپ کے مشہور خلیفہ شیخ زین الدین تھے جن کے دست حق پرست پر علاؤ الدین حسین شاہ نے بیعت کی تھی ان کے ذریعہ بھی سلسلہ چشتیہ کی اشاعت کافی پرزور ہوئی اور اسی زمانے میں سلسلہ چشتیہ سے منسلک بزرگ حضرت سید محمد گیسودراز بھی دکن پہنچے۔

آپ کے خلفا میں شاہ ید اللہ، شیخ علاؤ الدین گوالیاری، شیخ ابوالفتح قریشی، سید صدر الدین اودہی، شیخ فخر الدین بغدادی، شیخ محمد اکبر حسینی، سید یوسف حسینی، قاضی محمد سلیمان وغیرہ خاص طور سے مشہور و مقبول ہیں۔ اور انہوں نے سلسلے کی اشاعت میں بڑی گرمجوشی سے کام کیا اور خیالات تصوف کو عوام وخواص تک پہنچایا۔

گجرات

گجرات ازمنۂ قدیمہ سے ساحلی علاقہ ہونے کی بناء پر سماجی، معاشی طور پر ہندوستان کا ایک اہم صوبہ رہا ہے، یہاں پر سلسلہ چشتیہ کو پوری طرح سے روشناس کرانے کا کام حضرت شیخ نظام الدین اولیا کے خلفا: شیخ سید حسین، شیخ حسام الدین ملتانی، شاہ بارک اللہ وغیرہ نے انجام دیا، لیکن پروفیسر خلیق احمد نظامی کے مطابق سرزمین گجرات سے چشتی سلسلہ کے مرکزی نظام کا تعلق حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے زمانے میں قائم ہوا۔

بہر کیف علامہ کمال الدین جو حضرت چراغ دہلوی کے خلیفہ اور بھانجے تھے، شیخ کبیر الدین ناگوری اور سید کمال الدین قزوینی جو حضرت گیسو دراز کے سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے، ان سبھی بزرگوں نے سلسلہ چشتیہ کی تنظیم اور نشر واشاعت کا جو کام گجرات میں انجام دیا ہے، اسے فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

مالوہ

اسی طرح مالوہ میں چشتیہ سلسلے کی اشاعت شیخ نظام الدین اولیا کے مندرجہ ذیل خلفا کے ذریعے ہوئی: شیخ وجیہ الدین یوسف شیخ کمال الدین مولانا مغیث الدین ان تینوں بزرگوں نے ۱۴ویں صدی عیسوی میں چشتیہ سلسلے کو مالوہ میں روشناس کرایا۔ بعد میں بے شمار بزرگان چشت نے یہاں پر احیائے دین کا کام کیا۔ جن میں سلسلہ چشتیہ ہی سے منسلک قاضی اسحاق جو ایک جید عالم تھے اور سلطان علاؤ الدین محمود کے پیر تھے قابل ذکر ہیں اور تاعمر یہاں تبلیغ و اشاعت کے کام میں مصروف رہے۔

سلسلہ چشتیہ صابریہ

مضمون کا یہ حصہ ہندوستانی سماج اور اس کی تشکیل نو کے پس منظر میں بہت اہمیت کا حامل ہے اس لیے کہ مشرقی ہندوستان زمانہ قدیم سے از روئے سیاسیات، معاشیات، سماجیات، ثقافتی حالات کافی اہم رہا، زمانۂ وسطی سے یہ علاقہ یعنی متحدہ اتر پردیش ہندوستان کی ترقی و پیش رفت میں ایک مضبوط انتظامی

اکائی تھی اور آج بھی یہ علاقہ ہندوستان کے قلب کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔ متحدہ اتر پردیش کا علاقہ مختلف سلطنت جیسے موریہ، گپتا سلطنتوں کا گھر، اور ان کی تعمیر و ترقی میں ایک اہم جزو تھا۔ اور یہ بات حق ہے کہ اتر پردیش نے قدیم ہندوستانی ثقافت، فن، فلسفہ اور مذہب کو پھلنے پھولنے کا اچھا موقع دیا۔ اور یہاں کے لوگوں نے اس کی تعمیر و تشکیل میں اچھے کردار ادا کیے۔ اس سرزمین پر وارانسی، ایودھیا اور متھرا سے لے کر خانقاہ کچھوچھہ، خانقاہ شیخ العالم ردولی، درگاہ صابر پاک، لکھنؤ کا امام باڑہ، فتح پور سکری کی جامع مسجد، آگرہ کا تاج محل جیسے بے شمار علم و فضل، امن و روحانیت کے مراکز قائم ہیں۔ اس لیے کسی ایسے مرشدِ کامل کا اس سرزمین پر قدم رنجہ فرمانا ضروری تھا جو اپنی روحانیت و معنویت میں ماہ کامل ہو، تصوف و سلوک کے استاد بابا فرید الدین گنج شکر قدس سرہ نے اپنے مرید و خلیفہ شیخ علاء الدین احمد صابر علیہ الرحمہ کا انتخاب اس جگہ کے لیے فرمایا اور دین و مذہب کے حامی بنا کر ۶۴۶ھ میں آپ کو کلیر بھیج دیا، یہاں آپ نے لوگوں کی دینی و روحانی طور پر پرورش فرمائی اور آپ نے چشتی سلسلہ کے اصولوں کے تحت اپنے سلسلہ کا آغاز بھی یہیں سے فرمایا، اور تا حیات اس کی اشاعت و فروغ کے لیے کوشاں رہے۔

شیخ علاء الدین احمد صابر کے خلیفہ اور سجادہ نشین شیخ شمس الدین ترک جو خواجہ احمد یسوی کی اولاد میں تھے، مرشد کامل کی تلاش میں ترکستان کو چھوڑ کر ہندوستان آئے اور یہاں صابر صاحب کے دامن تربیت سے وابستہ ہو گئے۔ ان کے بعد جمال الدین پانی پتی مسند ارشادِ گرامی پر بیٹھے۔ بحوالہ کتاب مشائخ چشت ان کے چالیس خلفا تھے، جن میں شیخ احمد عبدالحق قابل ذکر ہیں جنھوں نے چشتیہ صابریہ سلسلے کے فروغ کے لیے انتھک محنت کی۔ اور ان کے ذریعہ ہی صابریہ سلسلہ کو جتنا فروغ و اشاعت حاصل ہوا اتنا کسی کے ذریعہ اور کسی کے زمانہ میں نہیں۔ صابریہ چشتیہ کا سب سے پہلا مرکز ردولی میں قائم ہوا جو ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش کے ضلع اجودھیا میں واقع ہے، اس کی بنیاد و ساخت آپ نے ہی فرمائی، روحانیت کے اس مرکز کے آپ ہی بانی و مبانی ہیں۔ اور اس وقت جس طریقے سے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں قائم خانقاہ دین و مذہب کی اشاعت کا کام کر رہے تھے، اسی طریقے سے اس سرزمین پر جو مختلف مذاہب کی بنیاد گاہ ہے، آپ نے ثقافت اشتراکی، تشدد پسند مذہبی طبقوں کی ملاوٹ سے اور اسلام کی خالص صورت کو مسخ ہونے سے بچانے کے لئے خانقاہ ردولی کا قیام کر کے بے مثال کام انجام دیا اور چشتی سلسلہ کے بکھرتے ہوئے اصولوں و اقدار کی حفاظت اور تا عمر پاسبانی فرمائی۔ جیسا کہ پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ شیخ عبدالحق نے ایسے زمانے میں وہاں خانقاہ قائم کی تھی جب چشتیہ سلسلے کا مرکزی نظام ختم ہو چکا تھا۔ نظامیہ سلسلے کے بزرگ گجرات، دکن، مالوہ، بنگال وغیرہ میں اپنی خانقاہیں قائم کر رہے تھے۔ دلی اور اس کے ارد گرد کا تمام علاقہ چشتیہ سلسلے کے بزرگوں سے تقریباً خالی تھا۔ شیخ احمد عبدالحق نے سیاحت کے دوران نظامیہ سلسلے کی بعض خانقاہوں کو دیکھا تھا اور حالات کا جائزہ لیا تھا۔ بالآخر ردولی میں ان کی خانقاہ رشد و ہدایت کا بڑا اہم مرکز بن گئی۔ اور شمالی ہندوستان کے لوگ کثرت سے حاضر ہونے لگے۔ (تاریخ مشائخ چشت، ص ۲۲۰)

آپ کی وفات کے بعد شیخ عارف سجادہ نشین مقرر

ہوئے، آپ اخلاق حسنہ کے عظیم ستون پر فائز تھے، ہر ملنے والا آپ کی عادات واطوار سے متاثر ہوتا تھا۔آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاجزادے شیخ محمد مسند سجادگی پر بیٹھے۔ان کو اللہ تعالی نے ایک ایسا مرید اور خلیفہ عطا فرمایا جس نے صابریہ سلسلے کو شمالی ہندوستان میں بڑی ترقی دی اور اس کے اثرات، دروس و پیغامات دور دور تک پہنچائے، جن کو ہم سب قطب عالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے نام سے جانتے ہیں، ان کو اللہ تبارک و تعالی نے خوب عظمت وشہرت سے نوازا۔اس سے پہلے صابریہ سلسلے کے کسی بزرگ کو اتنی مرتبت حاصل نہیں ہوئی، شیخ احمد عبدالحق قدس سرہ کے ملفوظات کو''انوار العیون'' کے نام سے آپ کو ہی مرتب کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

شیخ عبدالقدوس قدس سرہ نے اپنی ابتدائی زندگی ردولی ہی میں گزاری لیکن ردولی کے حالات خراب ہونے کی وجہ سے وہ شاہ باد گئے جہاں پر انہوں نے ارشاد و تلقین الہی کا ایک الگ ہنگامہ برپا کر رکھا تھا، آخری عمر میں وہ گنگوہ جو ضلع سہارنپور میں واقع ہے، تشریف لائے اور وہیں پر وفات پائی، ان کے بارے میں پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں: شیخ عبدالقدوس گنگوہی صاحبِ علم وفضل بزرگ تھے ان کی تصانیف سے ان کے مطالعہ کی وسعت اور ژرف نگاہی کا اندازہ ہوتا ہے انہوں نے عوارف کی شرح لکھی تھی۔شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی مشہور تصنیف فصوص الحکم پر حاشیہ تیار کیا تھا۔(بحوالہ کتاب بالا،ص ۲۲۱)

دین ومذہب کے اشاعتی ذرائع یعنی تقریری، مجلسی بیانات جیسی کیفیتوں میں بے حد مصروف رہنے کے باوجود تصنیف وتالیف جو ہمیشہ سے ایک اہم ذریعۂ دعوت وتبلیغ رہا ہے، اس سے بھی آپ دست بردار نہیں رہے بلکہ اپنی فکری وقلمی جولانیوں سے اس میدان میں بھی آپ نے رسالہ قدسیہ، غرائب الفوائد، رشدنامہ، مظہر العجائب، مکتوبات قدوسیہ وغیرہ لکھ کرامت کی رشد وہدایت کے تئیں عدیم النظیر ادبی خدمات انجام دیں، جو تا قیامت زندہ و جاوید رہیں گی۔اور ان کے فیوض وبرکات سے پورا عالم پرنور ہوتا رہے گا۔اور آپ کے بعد شیخ جلال الدین تھانیسری، شیخ نظام الدین بلخی چشتی صابری وغیرہ یکے بعد دیگرے سلسلہ صابریہ کے خلیفہ مقرر ہوئے اور پوری زندگی سلسلہ کی ترویج واشاعت میں صرف کی۔اور یہاں تک کہ اس سلسلے کے متاخرین بزرگوں میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب جیسی عظیم علمی قد وقامت دار شخصیت گزری ہے، جس سے اس سلسلے کی مقبولیت میں مزید اضافہ ہوا، اور آپ کی کوششوں سے یہ سلسلہ ہندوستان کے تمام اطراف و اکناف میں پھیلا۔جیسا کہ اصغر علی مصباحی اپنے ایک مضمون''چشتی سلسلہ کا ہندوستان میں ورود مسعود'' کے تحت لکھتے ہیں کہ آپ کے توسط سے یہ سلسلہ بلاد عرب تک جا پہنچا اور وہاں بھی اس سلسلے کی خوب اشاعت ہوئی۔(الاحسان مجلہ، سلطان المشائخ نمبر ص ۱۲۳، پبلیشر شاہ صفی اکیڈمی)

حقیر نے ان بزرگوں کی خدمات اور اس سلسلہ کی اشاعت وترویج کیوں ہوئی، اور کیسے، ان سارے نکات کو اس مختصر سے مضمون میں لانے کی کوشش کی ہے۔جس سے پر امید ہوں کہ سلسلہ چشت کی اشاعت کے ہندوستان میں کیا ذرائع بنے، اور کیسے لوگوں نے کس ماحول میں اس کی ذمہ داری اپنے دوش نحیف پر اٹھائی، بالآخر معین الدین چشتی سے لے کر خواجہ نظام الدین تک

بقیہ۔۔۔صفحہ ۷ ر پر

سماجی اور مذہبی تفریق کے واقعات تیزی کے ساتھ بڑھ رہے ہیں، معاشرے میں طاقتور طبقہ کمزور طبقہ کو دبانے اور ختم کرنے کی کوشش کر رہا ہے، منافقت اپنے عروج کو پہنچی ہوئی ہے، خلق خدا کا رشتہ اپنے خالق و مالک سے ٹوٹ چکا ہے۔

یہ صورتحال انتہائی ناگفتہ بہ ہے۔ ہمارا پیارا اور عزیز ہندوستان اسی دہانے پر جا پہنچا ہے جہاں سے حضرت خواجہ غریب نواز اور ان کے خلفا نے اسے نکالا تھا۔ فرق اتنا ہے کہ اس وقت ہندوستان مکمل طور سے کفرستان تھا لیکن اب انسانی قلوب میں اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ لوگ آزادانہ طور پر عبادت الٰہی میں مصروف ہیں۔ لیکن تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ برائیاں اور بے حیائیاں بھی آسمان چھو رہی ہیں۔ خواجہ صاحب اور ان کے خلفاء نے جن تعلیمات سے ہمیں آراستہ فرمایا تھا ہم نے ان کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ ان افکار و نظریات کو ہم نے نسیا منسیا کر دیا ہے۔ اس ناگفتہ بہ حالات میں بالعموم مشائخ چشت اور بالخصوص حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کو اپنانے اور فروغ دینے کی ضرورت ہے۔

ان کے ارشادات و فرمودات کو نشر کرنے کی حاجت ہے تب ہی ہمارا یہ ملک اسی طرح بن پائے گا جس طرح خواجہ صاحب اور ان کے خلفاء نے تیار کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ خواجہ صاحب اور ان کے خلفا کی تعلیمات پر عمل کرنے اور ان کو فروغ دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین۔ ✡✡✡

بقیہ۔۔۔ سلسلہ چشتیہ کی نشر و اشاعت اور ہندوستانی معاشرے کی تشکیل نو

گویا یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ انہوں نے بے سروسامانی کے عالم میں اپنی زندگی گزاری، لیکن اپنے مریدوں اور خلفا کو سلاطین کی بارگاہ میں جانے اور سلاطین وقت سے ملنے کی رہنمائی کبھی نہیں فرمائی۔ یہ سب حضرات اصول دین پر سختی سے عمل پیرا رہے، اور غربت کی زندگی پسند فرمائی، مخلوق خدا کی خدمت کرنا اپنی حیات کا سرمایہ سمجھا، بلاتفریق مذہب اپنی خانقاہوں کو سب کے لئے کھلا رکھا، ہر ضرورت مند کی باتوں پر گوش گزار ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیاست کے خارزار میں ان کا دامن کبھی نہیں الجھا اور انقلاب سلطنت، اور شاہوں کا ان کے خلاف فرمانوں کا ان کے مرکزوں اور سرگرمیوں پر کوئی اثر انگیز نہیں ہوا۔ ان کا اخلاص ان کی بے لوثی اور بے غرضی تمام سیاسی اختلافات کے باوجود مسلم رہی، جس کی وجہ سے اس سلسلے کو ہندوستان کے ایک وسیع رینج پر پھلنے پھولنے کا موقع ملا اور اب تک اس کے اثر و رسوخ، معتقدین و متوسلین کی تعداد بے شمار اور اسی رسم و قانون کے ساتھ ہندوستانی قوموں کا ان کے آستانے اور خانقاہوں سے جڑا رہا اور اتنی سماجی منافرت پھیلانے کے باوجود ہندوستانی معاشرے اسی لئے آج قوموں کی طرزِ معاشرت پر اس کی اثر آفرینی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی ہے، اور یہ میرے حقیر اور کم تر دماغ میں موضوع محولہ پر بس یہی نقطۂ اختتام ہے کہ ان سلاسل کو قبول عام اور بقائے دوام حاصل ہونے کے پیچھے، سلاسل کے بزرگانِ دین کا خدمت خلق کرنے سے بے انتہا لگاؤ تھا، اور یہ خانقاہیں جب تک بلاتفریق اسی طرح اس قضیہ پر عمل پیرا رہیں گی، یہ آباد رہیں گی اور ان کا فیضان و درس (علاقۃ اللہ مع الانسان وعلاقۃ الانسان مع اللہ) عام و تام ہوتا رہے گا۔ ✡✡✡

سوادِ اعظم اہل سنت وجماعت کا ترجمان
JAMIA CHISHTIYA
Khanqah Hazrat Shaikhul Alam (A.R)
RUDAULI SHAREEF DISTT. FAIZABAD (U.P.)
جامعہ چشتیہ خانقاہ حضور شیخ العالم علیہ الرحمہ کا دینی، علمی، تربیتی اور تحقیقی رسالہ
سہ ماہی مجلہ
شیخ العالم
ردولی شریف
خواجہ غریب نواز
نمبر
From:
Nazim Sho'ba-e-Nashr-o-Isha'at
Jamia Chishtiya, Khanqah Hazrat Shaikhul Alam
Rudauli Shareef, Dist: Ayodhya, Pin Code: 224120 (U
چیف ایڈیٹر
شاہ آفاق احمد احمدی

آئینہ سہ ماہی مجلہ شیخ العالم (خواجہ غریب نواز نمبر)

"خواجہ غریب نواز نمبر"

سہ ماہی مجلہ شیخ العالم علیہ الرحمہ کا

خصوصی شمارہ